بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انٹرنیشنل

نومبر 2017ء
صفر/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت، کا ترجمان

حضرت محمد مصطفی (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمدؒ مُدعی نبوت نہیں مجدد صد چاردہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

مدیران

شاہد عزیز
مسز سمیرا احمد

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ (فرمودات حضرت مسیح موعودؑ)	۲
۲: وحی، کشف اور الہام	۴
۳: جہاد بالقرآن از حضرت مولانا محمد علیؒ	۵
۴: سُنت، حدیث اور کُتبِ حدیث از شاہد عزیز	۸

سالانہ دعائیہ

جب حضرت مسیح موعود نے اِس تقریب کا اعلان کیا تو بہت سے علماء نے اِس کو ایک بِدعت قرار دیا۔ اب وہی علماء اپنے جلسوں اور دھرنوں کے اعلان کرتے نہیں تھکتے۔ لیکن ہمارے اجلاس کا مقصد خُدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ہے دُنیاداری اور سیاست نہیں۔ دُعا ہے کہ خُدا تعالیٰ ہمارے دعائیہ اور اُس کے شُرکا کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

عالمگیر (ذیلی مرکز)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
پتہ برائے خط و کتابت
15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ
www.virtualmosque.co.uk
ای میل۔ info@aaiil.uk :

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

اعلان جلد ہی جماعت کی ریڈیو نشریات پر ئمیر اسلامک ریڈیو سے نشر کی جائیں گی۔

www.virtualmosque.co.uk پر دیگر نشریات

پروگرام و اوقات

جمعہ - انگریزی 13:00

درس - بعد از جمعہ انگریزی 13:30

ماہانہ اجلاس - انگریزی - ہر ماہ پہلی اتوار 15:00

عیدین - انگریزی 11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین - پنجابی 13:00 سکائی چینل نمبر 130

سکائپ

تقاریر اور تبادلہ خیالات - ہر اتوار 09:00

سکائپ آئی ڈی
Lahori-Ahmadi

کلام امام
از حضرت مرزا غلام احمدؒ

اب ہم اس جگہ مذکورہ بالا بیان کی شہادت کے لئے ایک برہمو صاحب کی کتاب سے ذیل میں چند عبارتیں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ برہمو صاحب کا نام پر کاش دیو جی ہے جو برامھ دھرم لاہور کے پر چارک ہیں اور کتاب کا نام سوانح عمری حضرت محمد صاحب ہے اور اس پر آشوب زمانہ میں کہ ہر ایک فرقہ خواہ آریہ ہیں خواہ پادری صاحبان دیدہ ودانستہ کئی طور کے افترا کر کے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کی تحقیر کو بڑا ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں ایسے وقت میں آریہ قوم میں سے ایسا منصف مزاج پیدا ہونا جو برہمون مذہب رکھتے ہیں نہایت عجیب بات ہے مؤلف کتاب نے اپنی دیانت داری اور انصاف پسندی اور حق گوئی اور بے تعصبی کا عمدہ نمونہ دکھلایا ہے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ ایک ایک نسخہ اس کتاب کا خرید لیں قیمت بھی بہت کم ہے اور وہ عبارتیں برہمو صاحب کی کتاب کی خلاصہ کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اہل عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت میں بہت ہی بد رسوم کے مروج تھے چنانچہ فسق وفجور رہزنی قزاقی وغیرہ اس درجہ تک ان میں بڑھی ہوئی تھی کہ ان کے حالات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یتیموں کا مال کھالیتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ شراب خوری کی یہ کثرت تھی کہ بچہ نے دودھ چھوڑا اور شراب پینی شروع کی۔ مرد جس قدر چاہتا تھا عورتیں کر لیتا تھا جب چاہتا تھا بلا عذر چھوڑ دیتا تھا۔ کینہ، حسد، بغض بہت بڑھا ہوا تھا۔ بت پرستی سے کوئی گھر خالی نہ تھا اور مکہ گویا ایک بت پرستی کا تیرتھ بنا ہوا تھا اور جتنے ان لوگوں کے چلن تھے سب وحشیانہ تھے اور لوٹ اور مار میں یگانہ تھے۔ قتل وغارت میں درندوں سے بڑھ کر تھے اور عیاشی اور غفلت کا کوئی حساب نہ تھا اور ہر ایک حرام کو حلال سمجھ رکھا تھا۔ غرض جس وقت عرب کی یہ حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی تب حضرت محمد صاحب عرب کے ایک مشہور اور معروف قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والدین بچپن میں ہی فوت ہو چکے تھے اس لئے آپ کو اس قدر تعلیم پانے کا بھی موقع نہ ملا کہ وہ ماں باپ کے زیر سایہ اپنی مادری زبان کو سیکھ سکتے بلکہ پیدا ہوتے ہی دودھ پلانے کے لئے ایک دیہاتی اور گنوار دایہ کے سپرد کئے گئے اور دن رات ایک گنواری زبان سے ان کو واسطہ پڑا۔ شاید اس میں یہی حکمت خدا تھی کہ جو شخص جو ان ہو کر کلام کا معجزانہ نمونہ پیش کرنے والا تھا وہ بچپن میں یوں گنواروں اور چرواہوں میں پلے تا خدا کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہو۔ خدا نے جو ان پر پیدا ہوتے ہی یہ مصیبتیں ڈالیں تو شاید اس میں یہ حکمت تھی کہ تا انکے مزاج میں اعلیٰ درجہ کا حلم اور صبر اور رحم پیدا ہو جائے اور تا وہ ہمدردی بردباری اور غم خواری نوع انسان کا یہ نمونہ دکھلایا کہ زید بن حارث کسی لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور وہ غلام بنا کر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے اس غلام کو اپنی پھوپھی کی نذر کیا تب آپ نے اس غلام کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ کر آزاد کر دیا۔ اور آپ کا دل اپنے ملک کو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بہت دردمند رہتا تھا اور عورتوں کے حال زار اور معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور ہوتے ہی دیکھ کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گذار ہونا مناسب ہے۔ کون کونسی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسان کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ہیں جو ان کو اس راہ میں اٹھانی نہیں پڑیں۔ عرب جیسے ایک وحشی اور کندہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

1. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

2. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ: ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“، ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

3. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

4. بمطابق فرمان نبوی حضرت ﷺ کے بعد مجددین آئیں گے۔ اِس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء

5. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

6. ہر ایک شخص جو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے۔ خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

7. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

ناتراش ملک کو توحید کی راہ دکھانا اور ان بدیوں سے روکنا جو عادت میں داخل ہو گئی تھیں کچھ سہل کام نہ تھا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ ہی کہیں لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صاحب کی ان بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسان کے لئے بجالائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے وہ اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں جس کے نیچے اب تیرہ چودہ کروڑ دنیا کے آدمی پناہ گزین ہیں اور ان کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں قریش نے ایک مرتبہ یہ سوچا کہ محمد صاحب کو کوئی زبردست دنیاوی لالچ دے کر اس کام سے باز رکھیں چنانچہ پہلے ان کے وکیل نے آپ کے پاس آکر بہت سے مال اور دولت کے طمع دئے مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم آپ کو اپنا سردار اور پیشوا مقرر کر لیتے ہیں اور آخر کو جب یہ بھی نہ مانا گیا تو یہ کہا کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ قبول کرتے ہیں مگر آپ نے اس کے جواب میں قرآن شریف کی چند آیتیں سنائیں جو خدا کی توحید پر مشتمل تھیں۔ آخر قریش کا قاصد ناکام واپس آیا۔

اور جب قریش اپنے اس حیلہ میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کو بے انتہا اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانی شروع کیں۔ عزیزوں کا لہو سفید ہو گیا۔ سگا چچا ابولہب دشمن جانی بن گیا۔ سگی چچی کا یہ حال تھا کہ وہ بہت سے کانٹے گوکھرو سمیٹ لیتی اور جن جن راہوں سے آپ گذرتے وہاں وہ گوکھرو اور کانٹے بکھیر دیتی اور آپ کے پاؤں زخمی ہو جاتے تب آپ بیٹھ جاتے اپنے پاؤں سے بھی کانٹے نکالتے اور راستہ میں سے بھی دور کرتے تا دوسرے چلنے والے بھی اس اذیت سے بچیں۔ آپ جب وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہوتے اور قرآن مجید پڑھتے تو لوگ غل مچاتے تا کوئی شخص ان کی بات کو نہ سن سکے۔ آپ کو کہیں کھڑا نہ ہونے دیتے اور جب آپ تنگ آکر چلے جاتے تو ان پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے یہاں تک کہ آپ کے ٹخنے اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتیں۔

ایک دفعہ چند دشمنوں نے آپ کو تنہا پا کر پکڑ لیا اور آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اسے مروڑنا شروع کیا۔ قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے کہ اتفاق سے ابو بکرؓ آنکلے اور انہوں نے مشکل سے چھڑایا۔ اس پر ابو بکرؓ کو اس قدر مارا پیٹا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

حضرت ﷺ کے اوپر جو ظلم ہوتا تھا اسے جس طرح بن پڑتا تھا وہ برداشت کرتے تھے مگر اپنے رفیقوں کی مصیبت دیکھ کر ان کا دل ہاتھ سے نکل جاتا تھا اور بیتاب ہو جاتا تھا ان غریب مومنوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ ان غریبوں کو پکڑ کر جنگل میں لے جاتے اور برہنہ کر کے جلتی تپتی ریت میں لٹا دیتے اور انکی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے وہ گرمی کی آگ سے تڑپتے۔ مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔ بہتیروں کی جانیں اس عذاب سے نکل گئیں۔ انہیں مظلوموں میں سے ایک شخص عمار تھا جسے اس حوصلہ وصبر کی وجہ سے جو اس ن ظلموں کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمار کہنا چاہئے ان کی مشکیں باندھ کر اسی پتھریلی زمین پر لٹاتے تھے اور ان کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ محمد کو گالیاں دو۔ اور یہی حال ان کے بڈھے باپ کا کیا گیا۔ ان کی مظلوم بی بی سے جس کا نام سمیہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور وہ عاجزانہ فریاد زبان پر لائی اس پر وہ بے گناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے روبرو اس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اسے سخت بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخل شرم ہے آخر اس عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر اس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔ *(دیکھو صفحہ ۲۵ سوانح عمری حضرت محمد صاحب) ان ایمانداروں پر عذاب کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم کیا گیا اور عجیب مصیبت میں ان بیچاروں کی جان پھنس گئی۔ محمد صاحب اپنی آنکھوں سے ان بیچاروں پر یہ ظلم ہوتا دیکھ کر ان کا جگر مظلوموں کی ہمدردی میں پاش پاش ہوتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔

مومنوں کی یہ حالت دردناک دیکھ کر آپ نے انہیں یہ صلاح دی کہ تم نے راہ خدا میں قدم رکھا ہے تم ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ۔ اور اللہ کا نام لے کر ابے سینیا کی طرف ہجرت کر جاؤ چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب چند قبیلوں کے لوگ جو اپنی جان سے بھی تنگ تھے مع اپنے عیال واطفال کے اپنا گھر بار چھوڑ کر ابے سینیا کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے بعد اور بہت سے لوگوں نے ترک وطن اختیار کیا۔ جلاوطنی جسکو مسلمانوں نے ہجرت کے نام سے موسوم کیا ہے پانچویں سال نبوت میں وقوع میں آئی۔

جب قریش کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو انہوں نے وہاں تک تعاقب کیا۔ اور نجاشی بادشاہ ابے سینیا کی خدمت میں پہنچے اور بعض کی نسبت یہ بیان کیا کہ وہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام ہیں اور ہمیں ان کی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔

شاہ حبشہ نے ان جلاوطنوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور ان کے دشمنوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ پیش کیا تب جعفرؓ ابن ابی طالب جو حضرت علیؓ کے حقیق بھائی تھے بادشاہ کی خدمت میں آگے بڑھے اور سب کی طرف سے اپنا حال یوں بیان کیا:

"اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ گندی فحش باتیں بکتے تھے۔ مردار کھایا کرتے تھے۔ ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل تمام جہان پر چھایا ہوا ہے محمدؐ کو اس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو ہمارے لئے رسول کر کے بھیجا۔ اس کی شرافت، نسب اور راست گفتاری صفا باطنی اور دیانت داری سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا پیغام لیکر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو۔ اس کی ذات اور صفات میں اور کسی کو شریک مت کرو۔ اور بتوں کی پرستش مت کرو۔ راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ۔ امانت میں کبھی خیانت نہ کرو۔ اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو۔ پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورت ذات کی عزت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ خدا کی عبادت کرو۔ اس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ۔ راہ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئی ہیں کہ ہمیں جلاوطن ہونا اور راہ غربت اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں پر ظلم نہ ہونے دے گا۔ جعفر نے اس رقت بھرے دل سے اس تقریر کو ادا کیا کہ نجاشی پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس کا دل اس رسول عربی کی کچھ تعلیم سننے کا آرزو مند ہوا۔ اس نے جعفر کو کہا کہ جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے بھی کچھ پڑھ کر سناؤ تب جعفر نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیتیں جو ولادت مسیح کے باب میں تھیں پڑھ کر سنائیں۔" ان آیتوں کو سن کر نیک دل شاہ حبش کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل سوزاں وہ بول اٹھا کہ یہ اسی نور کی شعاعیں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا یہ کہہ کر اس نے مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ بار بار جعفر سے پوچھتا تھا کہ تم مسیح کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ جعفر کہتے کہ وہ ایک برگزیدہ بندۂ خدا تھا جسے اللہ نے اپنا نبی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے لئے بھیجا تھا۔ ان تمام تقریروں اور مباحثہ کے بعد نجاشی صداقت کا قائل ہو گیا تھا اور کہا کہ اگر مہمات شاہی مہلت دیتیں تو میں خود عرب کو جاتا اور اس شاہ عرب کا چاکر بنتا۔ اس طرف ابو طالب کے مرنے کے بعد قریش نے آپ کو بہت دکھ دینا شروع کیا۔ تب آپ نے یہ ٹھانی کہ آؤ اس شہر سے طائف کو چلیں اور وہاں کے لوگوں کو وعظ ونصیحت کریں چنانچہ آپ زید بن حارث کو اپنے ساتھ لے کر طائف کو چلے۔ تقدیر کی بات ہے وہاں کے لوگ آپ کی وعظ سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے آپ کو

وہاں ٹھہرنے تک کی اجازت نہ دی اور پتھر روڑے اور اینٹیں مار مار کر اور لڑکے پیچھے لگاکر اسی وقت شہر سے نکال دیا۔ آپ کے پاؤں ٹخنے پنڈلیاں پتھروں سے زخمی ہو گئیں۔ پنڈلیوں کا خون پونچھتے جاتے تھے اور آبدیدہ ہو کر اپنے خدا کی درگاہ میں نہایت عاجزی سے دعا کرنے لگے۔

کہ اے خداوند! میں اپنے ضعف وناتوانی اور مصیبت اور پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں مجھ میں صبر کی طاقت اب تھوڑی رہ گئی ہے مجھے اپنی مشکل حل کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ میں سب لوگوں میں ذلیل اور رسوا ہو گیا ہوں تیرا نام ارحم الراحمین ہے تو رحم فرما۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ناکام آئے اس وقت قریش نے طیش میں آکر مکہ کے دار الندوہ میں جو ان کا کمیٹی گھر تھا ایک جلسہ کیا جس میں قریش مکہ اور آس پاس کے قبیلوں کے کل سردار جمع ہوئے اتنا جم غفیر اس سے پہلے اس مطلب کے لئے مکہ میں کبھی جمع نہیں ہوا تھا اب ہر ایک شخص اپنی اپنی رائے ظاہر کرتا تھا کہ محمد صاحب کو عمر بھر کے لئے قید کرنا چاہئے کوئی کہتا تھا کہ اسے جلاوطن کرنا چاہئے مگر فیصلہ اس پر ہوا کہ انہیں قتل کر کے ملک کو مصیبتوں سے نجات دینی چاہئے۔ اور ابوجہل نے یہ تجویز پیش کی کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی دفعہ محمد صاحب کے سینہ میں خنجر ماریں تاکہ قتل کا الزام کسی شخص پر نہ آنے پائے یہ تجویز سب نے پسند کی اور قریش رات ہوتے ہی محمد صاحب کے گھر کے آگے ڈٹ گئے کہ جس وقت وہ دروازہ سے نکلیں یہیں ان کا ڈھیر کر دیا جائے مگر کسی جاں نثار خادم نے آپ کو وقت پر خبر کر دی۔ آپ پچھلی طرف سے کود کر ابو بکرؓ کے ہاں چلے گئے اور وہاں سے دونوں راتوں رات بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔ علی الصباح جب قریش نے دیکھا کہ محمدؐ صاحب بھاگ گئے۔ اور وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہے تو مارے غصہ کے دیوانہ ہو گئے اور ہر طرف ان کی تلاش کرنے لگے انہوں نے یہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمدؐ صاحب کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ چاروں طرف سے ان کی جان کے پیاسے تلاش میں پھرتے تھے۔ ایک دفعہ دشمن اس غار کے منہ تک بھی پہنچ گئے ابو بکرؓ کا دل لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سے بہت گھبرایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اب ضرور مارے جائیں گے مگر محمدؐ صاحب نے ان کو تسلی دی اور کہا نہیں ہم دو نہیں ہیں بلکہ تین ہیں اور تیسرا ہمارے ساتھ وہ ہے جو سب سے زیادہ زور آور اور صاحب طاقت ہے۔ حقیقت میں وہ تیسرا ان کے ساتھ تھا۔ (چشمہ معرفت)

وَحِیُ، اِلھَامُ، کشُوف اور رءویا۔

قرآنِ پاک میں وحی کی اقسام

(۱) زمین کو بھی وحی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَھَا (الزلزال ۹۹)۔۵۔ کیونکہ تیرے رب نے اسے (زمین کو) وحی کی۔

(۲) آسمان کہ وحی ہوتی ہے۔ فرمایا:۔ وَاَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَھَا (حٰم ۴۱:۱۲) اور ہر آسمان میں اس کا امر (کام) وحی کیا۔

(۳) حیوانات کو وحی ہوتی ہے۔ فرمایا:۔ وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّمۡلِ (النحل ۱۶:۶۸) اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

(۴) عورتوں کو وحی ہوتی ہے۔ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی (القصص ۲۸:۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی۔

(۵) عام مومنوں کو بھی وحی ہوتی ہے۔ وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ (المائدہ ۵:۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحیٰ کی۔

نوٹ:۔ یہ پانچوں اقسام غیر انبیاء والی وحی کی ہیں۔ جن میں تین تو غیر انسانی ہیں۔ ''وحیٔ نبوّت'' کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان سب وحیوں کو اپنی طرف ہی نسبت دی۔ پس کسی ولی کامل کا اپنے الہام کو وحی کا نام دینا۔ یا یہ کہنا کہ اُس کی وحی بھی اسی خدائے بزرگ و برتر کی وحی ہے جس نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیھم السلام یا آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی، تو اس میں غلط یا غیر اسلامی بات کیا ہے؟ (خاکسار مرتب)

خدائے تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصّہ پر تقسیم کر رکھا ہے۔ (۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواسِ ظاہر کے ذریعہ اور آلاتِ خارجی توسّل سے محسوس ہو سکتا ہے۔ (۲) عالم باطن۔ جو عقل اور قیاس کے ذریعہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ (۳) عالمِ باطن در باطن۔ جو ایسا نازک اور لایدرک وفوق الخیالات عالم ہے کہ تھوڑے ہیں اس سے خبر رکھتے ہیں۔ وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظنّ محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور کسی ذریعہ سے اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقق ہے کہ اس نے دو پہلے عالموں کے دریافت کرنے کے لئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ انسان کو طرح طرح کے حواس اور قوتیں عطا کی ہیں۔ اسی طرح اس تیسرے عالم کے دریافت کرنے کیلئے بھی اس فیّاضِ مطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ رکھا ہے۔ اور وہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے جو کسی زمانہ میں بکلی بند اور موقوف نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اس کے شرائط بجالانے والے ہمیشہ اسکو پاتے رہے ہیں اور پاتے رہیں گے۔ چونکہ انسان ترقیات غیر محدودہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بھی عیبِ بخل و امساک سے بکلی پاک ہے۔ پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک حیال ہے جو یہ سمجھا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنیکا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول سے بکلی اس کو محروم رکھا۔ پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانشمند لوگ دائمی طور پر الہام اور کشف کی ضرورت کو یقین کر لیتے ہیں۔ اور آریوں کی طرح چار رشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے۔ جن کی مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچنا ان کی نظیر عجیب میں ممکن ہی نہیں۔ بلکہ عقلمند لوگ خدا تعالیٰ کے فیاض مطلق ہونے پر ایمان لاکر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کھلا سمجھتے ہیں۔ اور کسی ولایت اور ملک سے مخصوص نہیں رکھتے۔ ہاں! اس صراطِ مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز کے حصول کیلئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ انہی قواعد اور طریقوں پر عمل کیا جائے۔ جن کی پابندی سے وہ چیز مل سکتی ہے۔ غرض عقلمند لوگ عالمِ کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جوّادِ مطلق نے عالم اوّل کے ادنیٰ ادنیٰ امور دریافت کرنے کیلئے انسان کو حواس اور طاقتیں عنایت کی ہیں۔ وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالیشان امور کے دریافت سے حقیقی اور کامل تعلق خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور سچّی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دنیا میں انوارِ نجات نمایاں ہو جاتے ہیں، کیونکر انسان کو محروم رکھتا۔ بے شک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھلا ہوا ہے۔ اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اسی کو پاتے ہیں۔ اور اس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں۔

عالمِ ثالث کے عجائبات

عجائبات اس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں۔ اور اس کے مقابل پر دوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانۂ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکلی منکشف ہو جائیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان

آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وہ قابل رؤیت چیزوں کو قوّتِ شامّہ کے ذریعہ سے دیکھ لے۔ بلکہ عجائبات عالم باطن در باطن سے عقل ایسی حیران لے کہ کچھ دَم نہیں مار سکتی۔ کہ یہ کیا بھید ہے۔ روحوں کی پیدائش پر انسان کیوں تعجب کرے۔ اسی دُنیا میں صاحب کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ انکی کُنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔

مشاہداتِ باطنی

بعض اوقات صاحبِ کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہٖ تعالیٰ اس کی آواز بھی سُن لیتا ہے، جسکی صورت اس پر منکشف ہوتی ہے۔ بعض اوقات صاحبِ کشف عالمِ کشفمیں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواحِ گذشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر ایک نیک بخت رُوح یا بد بخت رُوح کے کشفِ قبور کے طور پر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خود اس میں مؤلّف رسالہ ہذا ا۔ صاحب تجربہ ہے۔ اور یہ امر ہندوؤں کے مؤلہ تناسخ کی بیخ کنی کرنے والا ہے۔ اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحبِ کشف اپنی توجہ اور قوّتِ تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوس کے فاصلہ کے باذنہٖ تعالیٰ عالمِ بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا۔ اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے۔ سو وہ محال عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صدہا عجائبات کو عارف بچشمِ خود دیکھا ہے اور ان کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے۔ جو اس عالمِ ثالث کے عجائبات سے قطعاً منکر ہیں۔ راقمِ رسالہ ہذا (یعنی حضرت اقدس مرزا صاحبؒ مراد ہیں) نے اس عالم ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچ ہزار کے بچشم خود دیکھا۔ اور اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا۔ اور اپنے نفس پر اسے وارد ہوتے پایا ہے۔۔۔۔۔صاحب فتوحاتؒ وفصوصؒ و دیگر متصوّفین نے اس بارے میں بہت سے اپنے خود گذشتہ قصّے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں۔ (خزائن معارف اسلامیہ جلد اوّل ص۵۶۹ و ۵۷۰۔ حاشیہ)

مرتبۂ وحیٔ ولایتؒ

ہم لکھ چکے ہیں کہ جس دل پر در حقیقت آفتاب وحی الٰہی تجلی فرماتا ہے اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہر گز نہیں رہتی۔ کیا خالص نور کیساتھ ظلمت رہ سکتی ہے؟ پھر جس حالت میں موسیٰؑ کی ماں کو بھی یقینی الہامؔ ہوا جس پر پورا یقین رکھ کر اس نے اپنے بچّہ کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بجُرم اقدامِ قتل مجرم نہ ہوئیں۔ تو کیا یہ اُمّت اسرائیل کے خاندان کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہے؟ پھر اسی طرح مریمؑ کو بھی یقینی الہام ہوا۔ جس پر بھروسہ کر کے اُس نے قوم کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ تو حیف ہے اس مخذول اُمّت پر جو ان عورتوں سے بھی کم تر ہے۔ پس اس صورت میں یہ خیر الامّت کاہے کو ہوئی۔ بلکہ شرّالامم اور اجہل الامم ہوئی۔ اسی طرح خضرؔ جو نبی نہیں تھا۔ اس کو علمِ لُدنّی دیا گیا۔ تو کیا اگر اس کا الہام ظنّی تھا، یقینی نہیں تھا۔ تو کیوں اُس نے ناحق ایک بچّہ کو قتل کر دیا؟ اور اگر صحابہؓ کا یہ الہامؔ کہ نبی ﷺ کو غسل دینا چاہئے۔ یقینی اور قطعی نہ تھا۔ تو انہوں نے اس پر عمل کیا؟

پس اگر ایک شخص اپنی نابینائی سے میری وحی (الہام) سے منکر ہے۔ تاہم اگر وہ مسلمان کہلاتا ہے اور پوشیدہ دہریہ نہیں تو اس کے ایمان میں یہ بات داخل ہونی چاہئے کہ یقینی اور قطعی مکالمہ الہیّہ ہو سکتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی یقینی پہلی اُمّتوں میں اکثر مردوں اور عورتوں کو ہوتی رہی ہے اور وہ نبی بھی نہ تھے اس اُمّت میں بھی اس یقینی اور قطعی وحی کا وجود ضروری ہے تا یہ اُمّت بجائے افضل الامم ہونے نے احقر الامم نہ ٹھہرے۔ (ماہنامہ۔ ریویو آف ریلیجنز (قادیان)۔ بابت اکتوبر ۱۹۰۲ء۔ ص۷۹۳)

رحمانی اور شیطانی الہام

سچی آواز سُننے کیلئے متقی ہونا چاہئے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو اُنہیں آجاوے الہامؔ ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اضغاث احلام بھی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سُنائی دیتی ہیں وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں! ان کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہر آواز کو خدا تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اس کے ساتھ وہ انوار اور برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کیساتھ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس الہام کا دعویٰ کرنیوالوں کو اپنے الہاموں کو اس کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ اور اس بات کو بھی اُنہیں فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ بعض آوازیں نری شیطانی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان آوازوں پر ہی فریفتہ ہو جانا دانشمند انسان کا کام نہیں۔ بلکہ جب تک اندرونی نجاست اور گند دور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جائے۔ یعنی دُنیا ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر قول و فعل میں مقصود ہو۔ اس مقام پر قدم نہیں پڑتا ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز کو سُنتا ہے۔ اور وہ آواز حقیقت میں اُسی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اسوقت وہ تمام نجاستوں وے پاک ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور ایسے مقام پر کھڑا ہے جو نجاست وے بالکل الگ ہے۔ اور وہی پاک آوازیں سُنتا ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السّلام نے سُنیں۔ اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے جن کو سُنا تھا۔ (ملفوظات۔ جلد ۳۔ ص۲۳۹ تا ۲۴۰)

صداقت الہام کی کسوٹی

اور میں تو اپنے الہاموں کہ جب تک کتاب اللہ پر عرض نہیں کعرلیتا، میں ان کہ سچّا نہیں سمجھتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ جب کبھی الہام قرآن کریم کے مخالف ہو، تو وہ جھوٹ اور الحاد اور زندقہ ہے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان ہو کر نبوّت کا ادّعا کروں۔ اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اپنے الہاموں سے کوئی ایسا الہام نہیں پایا جو کتاب اللہ پایا۔ (حمامۃ البشریٰ۔ ص۷۹ عربی سے ترجمہ۔ ۱۹۰۳ء ایڈیشن)
سچّے ملہموں کا الہام اس (قرآن) کے خلاف نہیں ہو سکتا اور جو کچھ مجھے قرآن کی مشکلات کا فہم دیا گیا، یا اللہ رحمٰن سے الہام کیا گیا، میں نے اس کو صحت اور صواب کی شرط پر قبول کیا ہے۔ اور یہ مجھ پر کھولا گیا ہے کہ وہ صحیح خالص ہے، شریعت کے موافق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اور نہ کوئی ملاوٹ ہے۔ اور نہ شک و شبہ ہے۔ اور بفرض محال اگر معاملہ اس کے خلاف ہو تو ہم اس سب کو (یعنی الہامات کو) اپنے ہاتھوں سے ردّی چیز کی طرح اور کھانسی کے مادّہ کی طرح پھینک دیں گے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ۱۸۹۳ء۔ ص۲۱ (عربی سے ترجمہ))

الہام کیسے اُترتا ہے؟

خدا کا الہام جو معارفِ رُوحانیہ اور علوم غیبیہ کا ذخیرہ ہے، دل پر ہی نازل ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک ایسی آواز سے دل کا سرچشمۂ علوم ہونا کھل جاتا ہے کہ وہ آواز دل پر اس طور وے بشدّت پڑتی ہے کہ جیسے ایک ڈول زور کیساتھ ایک ایسے کنویں میں

پھینکا جاتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ تب وہ دل کا پانی جوش مار کر ایک غنچہ کی شکل میں سربستہ اوپر کو آتا ہے اور دماغ کے قریب ہو کر پھول کی طرح کھل جاتا ہے۔ اور اس میں سے ایک کلام پیدا ہوتا ہے وہی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ پس ان تجارب صحیحۂ روحانیہ سے ثابت ہے کہ دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلّق نہیں۔ ہاں اگر دماغ صحیح واقعہ ہو اور اس میں کوئی آفت نہ ہو تو دل کے علومِ مخفیہ سے مستفیض ہوتا ہے اور دماغ چونکہ منیت اعصاب ہے۔ اس لئے وہ ایسی کل کی طرح ہے جو پانی کو کنویں سے کھینچ سکتی ہے اور دل وہ کنواں ہے جو علوم مخفیہ کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ راز ہے جو اہل حق نے ماشفاتِ صیححہ کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے۔ جس میں میں خود صاحب تجربہ ہوں۔ (چشمہ معرفت۔ ص۲۷۰ تا ۲۷۱۔ ۱۹۰۸ء)

وحی کی مثال

اگر دنیا کی چیزوں میں سے کسی کے ساتھ دی جائے تو شاید کسی قدر برقی تار سے مشابہ ہے۔ جو اپنے ہر ایک تغیر کی آپ خبر دیتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کیوقت جو برنگ وحیٔ ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے۔ ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ تصرّف۔۔۔۔ مجھکو اپنے انوار میں ایسا دبالیتا ہے۔۔۔۔ کہ میری کوئی قوّت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس تصرّف میں کھلا اور روشن کلام سنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں۔۔۔۔ (برکات الدعا۔ ۱۸۹۳ء۔ ص۲۶)

جہاد بالقرآن

حضرت مرزا صاحب کا ایک عظیم الشان کارنامہ

خطبہ حضرت مولانا محمد علیؒ

فَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ جَاہِدۡہُمۡ بِہٖ جِہَادًا کَبِیۡرًا۔ (52:25) ترجمہ: ’’سو کافروں کی بات نہ مان اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد ہے‘‘

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ یہ جہاد، جس کا ذکر مندرجہ بالا آیت میں کیسا گیا ہے، تلوار کا جہاد نہیں۔ یہ مکی آیت ہے۔ جبکہ جنگ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا، بلکہ مطلب قرآن کریم کے ذریعہ جہاد ہے۔ قرآن نے قرآن کے ذریعہ جہاد کو جہاد کبیر قرار دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ جنگ سے واپس آکر فرمایا تھا رَجَعْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ یعنی تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آگئے ہو۔ اب تبلیغ اسلام کا کام کرنا ہے۔

مجدد وقت نے جہاد بالقرآن کی بنیاد رکھی: کچھ عرصہ سے مسلمانوں کے دماغوں پر جہاد بالسیف کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے، کہ وہ جہاد بالقرآن کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں، جس کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے تبلیغ اسلام کا کام چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے جہاں اور عظیم الشان خیالات کو از سرِ نو زندہ کیا، وہاں جہاد بالقرآن کے خیال کو بھی زندہ کیا۔ مجدد کا کام تازہ کرنا اور تجدید کرنا ہے۔ وہ اچھے فراموش خیالات کو از سرِ زندہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے جہاد بالقرآن پر زور دیا۔ اور اس کی بنیاد رکھی۔ اور عملی نمونہ پیش کیا۔ اور قرآن کریم کی عظمت کو دوبارہ قائم کیا۔ مسلمانوں نے سمجھ رکھا تھا کہ جہاد صرف تلوار اٹھانے اور تلوار سے کسی کافر کو قتل کرنے ہی کو کہتے ہیں۔ دوسرے جہاد کا انہیں خیال بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی کوشش سے جہاد بالقرآن ایک حقیقت نظر آنے لگا۔

اسلام کی ترقی جہاد بالقرآن کے ساتھ وابستہ ہے: بہت سے ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے صرف ایک اچھا خیال پیش کیا اور دنیا محض اسی وجہ سے ان کی عزت بلکہ پرستش کرتی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے نہ صرف جہاد بالقرآن کے خیال کو زندہ کیا، بلکہ اس خیال کو عملی رنگ میں تکمیل کو پہنچایا۔ افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کی عظمت کو قائم کرنے والے اور مختلف پہلوؤں سے قائم کرنے والے مجدد زمان کی قدر نہ کی۔ لیکن خوب یاد رکھو! کہ دنیا اب اس بات کی قائل ہوتی جارہی ہے کہ اسلام کی تمام کامیابیاں جہاد بالقرآن کے ساتھ وابستہ ہیں۔

حق ایک بیج کی مانند ہوتا ہے: واقعات کو دیکھو۔ اور غور کرو کہ دنیا کے حالات حق کو پھیلانے میں کس طرح معاون ہو جاتے ہیں! ظاہر بین لوگوں کو حق نظر نہیں آتا۔ دراصل حق کی باتیں ایک بیج کی طرح ہوتی ہیں، جو وقت پر پھل پھول لاتی ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر یا دو سال کے اندر کوئی عظیم الشان انقلاب کرکے دکھادیں گے، وہ سب غلط کہتے ہیں۔ اس قسم کے دعوے دھوکہ بازیاں ہیں۔ اسلام ہی کو دیکھ لو۔ پہلے پہل وہ ایک بیج کے طور پر تھا۔ لیکن وقت آنے پر اس سے پھل پھول حاصل ہوئے۔

جہاد بالقرآن کے لئے جماعت احمدیہ کا قیام: غیر مسلموں نے جب سے قرآن کو پڑھنا شروع کیا، اس کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے جارہے ہیں۔ یہ اسی جہاد بالقرآن کا نتیجہ ہے، جس کا بیج اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے بویا۔ حضرت مسیح موعود نے جہاد بالقرآن کے فراموش شدہ خیال کو پھیلانے کے لئے خود بھی انتہائی کوشش کی۔ اور اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک جماعت قائم کی اور بیعت لی۔ آپ کو یہ ایک عجیب بات نظر آئے گی، کہ آپ اس قسم کی بیعت کے قائل نہ تھے، جو عام طور پر پیر مرید میں ہوتی ہے۔ اور نہ شروع میں بیعت لیا کرتے تھے، بلکہ لوگوں کی درخواستِ بیعت پر انکار کردیا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کو جہاد بالقرآن کا مرحلہ پیش آیا، تو اس کے لئے آپ نے ایک جماعت کھڑی کی۔ اور اس کی بیعت لی۔ جانتے ہو یہ جماعت آپ کی جماعت ہے !

بیعت کی ضرورت واہمیت: فوج کے بغیر کوئی جہاد نہیں ہو سکتا۔ جس طرح جہاد بالسیف کے لئے فوج کی ضرورت ہے، اسی طرح جہاد بالقرآن کے لئے ایک باقاعدہ جماعت کی ضرورت ہے۔ انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے۔ بعض اوقات وہ وقتی طور پر چند خیالات وجذبات سے متاثر ہو کر ایک کام شروع کرتا ہے، لیکن مصیبت کے وقت اس کا قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ تاہم جب وہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار یعنی بیعت کرتا ہے، تو پھر بالعموم اس پر قائم رہتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اقرار کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس راستہ میں تکالیف بھی برداشت کرلیتا ہے۔ ہم نے مجدد وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ایک اقرار کیا۔ اس اقرار کی اہمیّت بالکل واضح ہے۔

قربانیوں کی ضرورت: ہم نے جو کام شروع کیا، وہ بہت ہی مشکل ہے۔ اس میں بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہاد بالسیف کی طرح اس جہاد میں بھی جانوں، مالوں اور زندگیوں کی ضرورت ہے۔ اس راستہ میں دکھ اور مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بیعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم نے خدا کے راستہ میں اس کی رضا کے حصول کے

لئے جو قدم اٹھایا ہے، وہ پیچھے نہ ہٹے۔ اگر بد قسمتی سے کسی کا قدم پیچھے ہٹ جائے، تو اس کی فطرت اسے روکتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، انسان کی فطرت ہے، کہ وہ اپنے پختہ اقرار کے سامنے مصائب کی بھی چنداں پروا نہیں کرتا۔ اسی لئے ہم بیعت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

ضرورت زمانہ کے مطابق ہتھیار: آپ جانتے ہیں کہ کوئی فوج اس وقت تک نہیں لڑ سکتی، جب تک اس کے پاس دشمن سے مقابلہ کے لئے مناسب ہتھیار نہ ہوں۔ نئے حالات کے ساتھ ہی نئے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کوئی مامور اپنی فوج کو ہتھیار دیتا ہے، تو وہ ضرورت وقت کا خیال ضرور رکھتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی اسی بات کو مدنظر رکھا۔ یہ جو نئی باتیں احمدیت میں نظر آتی ہیں، جن پر لوگ معترض ہیں، یہ کیا ہے؟ وہی نیا ہتھیار ہے، جس کی ضرورت اس وقت اعداء اسلام کے مقابلہ پر ہے۔ آپ واقعات پر غور کرلیں۔ کامیابی اس ہتھیار کے بغیر ناممکن ہے، جو مجدد وقت نے اپنی فوج کو دیا۔ سوچو! آج سے تقریباً 45 سال قبل ایک گاؤں والا اٹھتا ہے۔ واقعات زمانہ سے وہ بالکل ناواقف ہے۔ گوشہ نشین ہے۔ مقابل پر اس کے ایک ایسی زبردست قوم ہے، جو تمام دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ یعنی عیسائی قوم۔ اس کے مقابلہ پر زبردست ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ واقعات نے حضرت مجدد کی اس تبلیغ میں کامیابی کا رنگ دے کر ثابت کر دیا کہ یہ کامیابی انہی ہتھیاروں کا نتیجہ ہے۔ مجدد کا کام ایک طبیب کی طرح ہے۔ جس قسم کا حملہ اسلام پر ہو رہا ہو، مجدد اسی کے مطابق دفاع کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ شروع میں اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ لیکن آخر لوگ بتدریج اس کو قبول کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

درس قرآن کی ابتداء: آج کل کئی جگہ درس قرآن کا سلسلہ شروع ہے۔ لیکن اگر درس قرآن کی تاریخ لکھی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ اس مفید رواج کی ابتداء اسی جگہ سے ہوئی ہے، جس کو کفر کا مرکز کہا جاتا ہے۔ اور اس کی ابتداء کرنے والا وہی مرد خدا اور مجدد وقت ہے، جس پر محسن کش مولوی کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔ جس طرح آج بہت سے مولوی وفات مسیحؑ کے مسئلہ کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی اس کے اظہار سے ڈرتے ہیں، کہ لوگ ہمیں احمدی کہنے لگیں گے، اسی طرح ایک وقت تھا کہ لوگ ہر ایک تبلیغ اسلام کرنے والے کو احمدی کہنا شروع کر دیتے تھے! مولوی محی الدین صاحب قصوری نے پونا میں ایک تبلیغی انجمن قائم کی تھی۔ اس کی ایک رپورٹ میری نظر سے گزری ہے۔ جو غالباً آج سے بارہ پندرہ سال پیشتر کی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب انہوں نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا، تو بہت لوگوں کے خطوط آئے کہ تم درپردہ احمدی ہو۔ یہ کیوں؟! محض اس لئے کہ لوگ باوجود شدید مخالفت کے جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں اشاعت اسلام کے کام کو ازسرنو شروع کرنے والی جماعت احمدیہ ہی ہے۔ اس لئے جہاں کہیں انہیں اشاعت اسلام کا کام ہوتا نظر آتا ہے، ان کا خیال جماعت احمدیہ کی طرف جاتا ہے۔ اب بھی یہ حالت ہے کہ لوگ ان اسلامی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، جو احمدیت کا نتیجہ ہیں۔ اگر ان کا ذکر کرتے بھی ہیں، تو احمدیت کا نام تک نہیں لیتے۔ محض اس لئے کہ انہیں عوام کا ڈر ہے یا ان میں حد سے زیادہ تنگدلی موجود ہے!

جماعت احمدیہ کی کامیابی کی وجہ: گذشتہ دنوں مصر میں عیسائیت کے مقابلہ میں مسلمانوں نے ایک انجمن "دفاع اسلام" قائم کی۔ اس کا جو حشر ہوا، اس کی کیفیت مصر کے ایک فارسی اخبار "چہرہ نما" نے چھاپی ہے، جو آپ کے اخبار "پیغام صلح" میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ یہاں ہندوستان میں بھی یہی حالت ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ کے خدمت اسلام کے کام میں خدا برکت دے رہا ہے جس کو علماء کافر، مرتد اور دجّال کہہ رہے ہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے مسلمانوں کے کاموں میں برکت نہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ؟! یہ محض اس لئے کہ ہمارا کام صحیح اصولوں اور جماعتی رنگ میں ہو رہا ہے۔ ہم میں جذبات اخوت ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے کام کو اچھی نگاہ اور قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ ظاہری اسباب، جو ہماری ترقی کا موجب ہیں۔ گو ان سب کی تہہ میں خدا کا فضل ہی کام کر رہا ہے۔ جو قوم ایک ہو کے چلتی ہے، وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری کامیابی کی سب سے بڑی وجہ وہ صحیح عقائد ہیں، جو حضرت مرزا صاحب نے ہمیں دیئے۔

> **زکوٰۃ تمہارا مال نہیں، جسے تم اپنی مرضی سے صرف کر سکو۔ یہ خدا اور قوم کا مال ہے۔ اسے خدا کے رستے میں قومی نظام کے ماتحت صرف ہونا چاہئے۔ اگر اس کی پابندی نہ کی جائے گی، تو جماعت اور اس کے نظام کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔**

احمدیت اپنے کام کی بناء پر دعوت دیتی ہے: احمدیت صرف عقیدہ کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ اپنے کام کی وجہ سے بھی قابل قبول ہے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے خدمت اسلام کا جو کام ہو رہا ہے، وہ بہت عظیم الشان ہے۔ احمدیت اپنے کام کی بنیاد پر لوگوں کو اپنی طرف بلاتی ہے۔

یہ جماعت دفاع اسلام کے لئے فوج ہے: میں ہوں یا اور کوئی، ہم سب کی حیثیت ایک سپاہی کی ہے۔ یہ بہت بڑی حیثیت ہے۔ جب تک ہم میں یک رنگی ہے، اور ہم اتحاد واتفاق سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں، ہم کامیاب ہوں گے۔ لیکن اگر ہماری یہ حالت ہو جائے کہ ایک شخص کا رُخ ایک طرف ہو، اور دوسرے کا دوسری طرف، ایک ایک کام کو ضروری سمجھتا ہے، تو دوسرا دوسرے پر زور لگا رہا ہے، تو ایسی فوج دشمن کے مقابل پر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی!

زکوٰۃ کے متعلق تحریک: میں نے گذشتہ دنوں خطوط اور خطبہ کے ذریعہ زکوٰۃ کے متعلق تحریک کی تھی کہ زکوٰۃ کا جماعتی بیت المال میں جمع ہونا احکام قرآنی اور مقاصد سلسلہ کی رو سے اشد ضروری ہے۔ اس لئے کوئی دوست انفرادی طور پر زکوٰۃ تقسیم نہ کریں، بلکہ کل رقم جماعتی بیت المال میں ارسال کی جائے۔ سوائے ایک تہائی کے، جو اپنے طور پر خرچ ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں بعض دوستوں نے جو لکھا، وہ دانشمندی سے دور ہے۔ کسی نے لکھا کہ ہمارے بعض رشتہ دار غریب ہیں۔ کسی نے کہا کہ ہمارے پاس اپاہج غریب اور محتاج لوگ آتے ہیں۔ ہم اگر زکوٰۃ مرکز میں بھیج دیں، تو ان کو کیا دیں؟! بظاہر یہ جواب نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کی خوبصورتی جماعت اور قوم کو برباد کرنے والی ہے۔

زکوٰۃ خدا اور قوم کا مال ہے: اس طرح تم دس اندھوں یا دس لنگڑوں کی امداد تو ضرور کرو گے، لیکن تمہاری توجہ اپنے سب سے بڑے دشمن کی طرف نہ رہے

گی۔ اور تمہاری یک رنگی میں فرق آجائے گا۔ جس کا نتیجہ قوم کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا تم دنیا کے سارے اندھوں اور لنگڑوں کا ذمہ لے سکتے ہو؟ یاد رکھو! اگر کسی شہر کے سارے دولتمند بھی اس ملک کے اندھوں اور لنگڑوں کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ تم دس بیس حاجتمندوں کی ضرورت پوری کر دوگے، لیکن ان کے بعد جو آئیں گے، ان کو بھی کچھ جواب دوگے؟ وہی جواب تم ہر ایک سائل کو دے سکتے ہو۔ زکوۃ تمہارا مال نہیں، جسے تم اپنی مرضی سے صرف کر سکو۔ یہ خدا اور قوم کا مال ہے۔ اسے خدا کے رستے میں قومی نظام کے ماتحت صرف ہونا چاہئے۔ اگر اس کی پابندی نہ کی جائے گی، تو جماعت اور اس کے نظام کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔

جماعت کے استحکام کو برقرار رکھو: خدا کی قسم تمہاری جماعت کوئی معمولی جماعت نہیں۔ اگر مسیح موعود نہ آتے، تو اسلام کی تعلیم گم ہو گئی تھی۔ اگر تمہاری جماعت کھڑی نہ ہو گئی ہوتی تو حضرت مسیح موعود کی تعلیم گم ہو گئی ہوتی۔ یاد رکھو۔ جماعت کے اوپر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جماعت کے استحکام کو برقرار رکھو۔ اور کوئی ایسا فعل نہ ہونے پائے، جو اس کے منافی ہو۔ اگر کسی بھائی کے قدم میں کوئی لغزش ہے، تو وہ فوراً اپنے قدموں کو سنبھال لے۔ ایک ہو کر رہنے کی کوشش کرو۔ اس میں تمہاری زندگی، طاقت اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔ یاد رکھو اتحاد بڑی چیز ہے۔ (پیغام صلح۔ 19 نومبر 1933ء)

حدیث اور کُتبِ حدیث

شاہد عزیز

یہ مختصر مضمون سُنت، حدیث اور کُتبِ حدیث کے متعلق ایک غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ہے۔ سُنت کے بارے میں عرض ہے کہ یہ کسی معاملہ میں حضرت نبی کریم کا عمل ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت نبی کریم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اُس پر عمل کیا۔ اِس کے لئے اُنہیں کسی حدیث کی یا حدیث کی کتاب کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر نماز پڑھنے کے لئے حدیث یا حدیثوں کی کتابوں کی ضرورت تھی تو پھر کیا اُن کُتب کی تدوین سے پہلے مسلمان نماز نہیں ادا کرتے تھے؟ صحابہ کرامؓ نے حضرت نبی کریم کو نماز پڑھتے اور پڑھاتے دیکھا اور اُس پر عمل کیا۔ احادیث کی کُتب تو ہجرت کے سو سال بعد وجود میں آئی۔ سب کو علم ہے کہ صحابہ سُنت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ مصر کی جنگ کا واقع مشہور ہے کہ مسلمانوں کو اُس جنگ میں مشکلات پیش آئیں تو اُنہوں نے باہم مشورہ کیا کہ دیکھیں کہ اِن مشکلات کی کیا وجہ ہے، کیا ایسا تو نہیں کہ ہم نے نبی کریم کی کسی سُنت کو چھوڑ دیا ہے۔

حدیث حضرت نبی کریم کا کسی معاملے میں بیان ہے۔ کسی صحابی یا صحابیہ نے کوئی بات پوچھی یا مشورہ کیا تو حضور ﷺ نے اُس بارے میں جو فرمایا وہ حدیث کہلایا۔ بیشتر احادیث کے احکام میں آپ نے ایک حصہ میں اصول بیان فرمایا اور دوسرے حصہ میں اُس اصول کو استعمال کر کے بتایا کہ سائل کو کیا کرنا چاہیے۔ یہی اصول دُنیا کے تمام قانونی فیصلوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جج جب ایک فیصلہ لکھتا ہے تو اُس فیصلے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ جسے لاطینی میں ratio decidendi کہتے ہیں وہ اصول بیان کرتا ہے کہ جو مسئلہ عدالت کے سامنے ہے اُس کا حل کن اصولوں کی روشنی میں کیا گیا ہے اور اگر یہ اصول نئے ہیں تو اُنہیں مُستقبل کے تمام فیصلوں پر لاگو کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اِس اصول سے انحراف صرف اُس وقت ہو سکتا ہے جب آپ اِس کی جگہ کوئی نیا اصول بنائیں۔ فیصلے کے دوسرے حصے کو لاطینی میں Obiter dictum کہتے ہیں۔ یہ مُنصف کے ریمارکس ہیں جن کا اثر صرف اُس سائل کی ذات تک محدود ہے اور اگر دوبارہ مندرجہ بالا مسئلہ سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ عدالت کے سامنے پیش ہو تو جو اصول مقرر ہو چکا ہے فیصلہ اُس کے مطابق ہو گا لیکن جو رائے سائل سے مخصوص ہے وہ نظر انداز کر دی جائے گی۔ مثلاً ایک حدیث میں حضور نے ایک سوالی کو، جو اپنی وفات پر اپنی ساری جائداد خیرات کرنا چاہتا تھا فرمایا کہ یہ نیکی نہیں کہ تم اپنی اولاد کو محتاج چھوڑ جاو۔ اور آگے فرمایا کہ سوالی اپنی جائداد کا تیسرا حصہ تک خیرات کر سکتا ہے۔ اولاد کو محتاج نہ کرنا ratio یا اصول ہے اور سوالی کو ہدایت کہ وہ ایک تہائی تک خیرات کرے obiter ہے۔ مثلاً بل گیٹس اگر اپنی جائداد کا ایک فیصد بھی اولاد کے لئے چھوڑے تو اُس کی اولاد محتاج نہیں ہو جائے گی سو اِس اصول کے تحت کہ اپنی اولاد کو محتاج نہ چھوڑو وہ اپنی جائداد کا ۹۹ فیصد خیرات کر سکتا ہے۔ یہ فرق ملحوظ نہ رکھنے سے ہمیں بہت دُشواریاں پیش آتی ہیں۔

دوسری چیز جس کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں وہ حدیث اور حدیث کی کُتب میں فرق ہے۔ احادیث تو شروع سے موجود تھیں۔ احادیث کی کتابیں بہت بعد میں وجود میں آئیں۔ جب بزرگانِ دین نے اُن کی تدوین کرنی شروع کی تو اُنہوں نے آنحضرتؐ سے منسوبہ بیانات کو چیک کرنے کے لئے کچھ اصول وضع کئے۔ جو احادیث اُن اصولوں پر پوری اُتریں وہ انہوں نے اپنے مجموعوں میں شامل کیں اور بقایا رد کر دیں۔ اُن کے اَن احادیث کو اپنے مجموع میں شامل نہ کرنے سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ احادیث اُن اصولوں پر پوری نہیں اُتری جو اُس امام نے وضع کئے تھے۔ یہ امکان موجود ہے کہ شاید نبی کریمؐ نے ایسا فرمایا ہو۔ اِسی امکان کے تحت حدیثوں کی کیٹیگریاں بنائی گئیں کہ فلاں حدیث مستند ہے اور فلاں غریب وغیرہ۔

اِسی زمانے میں جب حدیث کی تدوین شروع ہوئی قرآن کی تفاسیر بھی لکھی جانے لگیں۔ اُن مفسرین کو اگر کسی حدیث کا علم ہوتا اور وہ اُس حدیث کو قرآن کے مطابق پاتے تو ضرورت پر اُس حدیث کو کسی آیت کی تفسیر میں شامل کر لیتے اگرچہ وہ حدیث کسی مجموعہ، جیسا کہ بخاری وغیرہ، میں شامل نہ ہوتی۔ سو قرآن کی تفاسیر میں ایسی بھی احادیث ملیں گی جو کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں شامل نہیں۔ کسی حدیث کے درست ہونے کے امکان پر غور کرتے ہوئے جس چیز کا خیال رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ حدیث قرآن اور فطرت سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ ضروری نہیں کہ ایک حدیث جو مجموعہ احادیث میں نہ ہو وہ مستند نہ ہو۔

دوسری طرف یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک حدیث جو احادیث کی کسی کتاب میں پائی جائے وہ واقعی آنحضرت کا قول ہو۔ یہ صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ حدیث اُن امام صاحب کے اصولوں پر اُترتی جنہوں نے یہ کتاب تدوین کی۔ ضروری یہ ہے کہ حدیث قرآن کے مطابق ہو۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہوگئے تو وہ تمام احادیث جو نزول مسیح کے متعلق ہیں یا اُنہیں رَد کرنا پڑے گا یا حضرت مسیح موعود کی ہدایت کے متعلق اُن کوئی تاویل کرنی ہو گی جس سے قرآن اور حدیث میں تضاد پیدا نہ ہو۔